# قرآن حکیم کی اردو میں اہم تفاسیر کا تجزیاتی مطالعہ

*ساجدہ رحمٰن

***Abstract***

*Undoubtedly the holy Quran is the first and foremost source of knowledge and code of life. Hence its recitation and understanding is of great importance. For this purpose Arabic plays vital role to achieve the target. In early days it was totally prohibited to translate the Quran in any other language. But with the passage of time when Islam spread over most of the non Arab countries like Indo-Pak subcontinent it was urgently needed that the Holy Book might be translated in the regional languages also to understand and know the ordain of Allah through translation in their language.*

*The Ulema of subcontinent took up this sacred task and eandeavoured their best to justify the assignment after learning Arabic and other branches of knowledge related to Tafseer. The scholars produced several books in this field in Arabic, Persian and Urdu languages.*

*I have introduced some very important Tafaseer in Urdu for Islamic Studies' students, researchers and general public.*

**keywords:** Quran Hakeem, Tafseer, Urdu Tafseer

قرآن حکیم وہ آخری محفوظ آسمانی ہے کتاب جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔قرآن ایک مکمل دستور حیات ہے جس کی تعلیمات مکمل طور پر فطرت انسانی اور عقل سلیم کے مطابق ہیں۔ اس کا مقصد بنی نوع انسان کو راہ ہدایت دکھانا ہے تا کہ اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کی جا سکے۔اپنی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مسلمانوں کی توجہ کا سب سے زیادہ مرکز رہا اور اس کے فہم و تفہیم کے سلسلے میں زبردست کاوشیں کی گئیں نتیجہ کے طور پر مختلف قرآنی علوم سامنے آئے جیسے لغات القرآن، اعراب القرآن، بدائع القرآن، قصص القرآن، احکام القرآن، اعجاز القرآن، الفاظ القرآن، امثال القرآن، متشابہات القرآن اور خواص القرآن وغیرہ ہیں جن کی

پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

تعداد علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کے مقدمہ میں اسی (۸۰) بیان کی ہے۔
امام سیوطیؒ مزید لکھتے ہیں:

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول ان کے واقعات متعلقہ اسباب نزول نیز مکی مدنی، محکم متشابہہ، ناسخ ومنسوخ، خاص عام، مطلق ومقید، مجمل ومفصل، حلال وحرام امر ونہی عبرت وامثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔''(۱)

امام زرکشی نے اصول تفسیر کے وضع کرنے میں درج ذیل علوم کا تذکرہ کیا ہے:

**'' التفسير علم يصرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد ﷺ وبيان ومعانيه واستخراج احكامه وحكمه واستمداد ذلک من علم اللغة والنحو والتصريف وعلم البيان واصول الفقه والقراء ت ويحتاج لمعر فته اسباب النزول والناسخ والمنسوخ۔''(۲)**

قرآن مجید نے انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے طوالت واختصار کے بیچ توازن برقرار رکھا ہے اور محدود الفاظ میں لامحدود مطالب بیان کئے ہیں جسے سمجھنے کے لئے علم تفسیر وجود میں آیا جو ہر اس علم کو سموئے ہوئے ہے جس سے کلام الٰہی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہو۔

تفسیر کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر میں اللہ کی کتاب کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دوں جس کا مجھے صحیح علم نہیں (۳)

قرآن حکیم میں جگہ جگہ تفکر وتدبر کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ قرآن مجید میں غور کرتے اور اگر مشکل پیش آتی تو رسول ﷺ سے دریافت کرتے البتہ سوال کرنے سے بہت زیادہ احتراز کرتے کیونکہ کثرت سوال کی آفتوں کو اچھی طرح جانتے تھے لہذا جو معلوم ہوتا اسی پر عمل کرتے ہوئے اکتفا کرتے اور خود تفسیر قرآن کے سلسلے میں وہی بات کہتے جو حضور سے بلاواسطہ یا بالواسطہ معلوم ہوتی۔ تفسیر کے سلسلے میں صحابہ کے رویہ کی بہت خوبصورت ترجمانی حضرت ابوبکرؓ کا یہ واقعہ کرتا ہے۔

> ''صدیق اکبرؓ سے کسی نے ''ابا'' کے معنی پوچھے (جس کے معنی چارہ کے ہیں) مگر چونکہ قریش کی لغت میں یہ لفظ متعارف نہ تھا، آپ نے فرمایا کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر میں قرآن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جسے میں

نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے''۔(۴)

عہد صحابہ میں تفسیر کی کوئی جداگانہ منظم صورت نہ تھی۔حضور اکرم ﷺ سے منقول آیات کی تشریح وتوضیح احادیث نبوی کے زمرہ میں ہی شامل ہیں۔

## تفسیر کا آغاز وارتقاء:

حیات صحابہ میں ہی ان کے شاگردوں کے ذریعے ان کے تفسیری بیانات بھی ضبط تحریر میں آ گئے تھے۔ چنانچہ تفسیر کے لئے پہلے قرآن پھر حدیث وسنت اور پھر آثار واقوال صحابہ سے مدد لی جاتی تھی۔عصر تابعین میں امام ابن تیمیہؒ کے قول کے مطابق ''تفسیر کا علم زیادہ تر علمائے مکہ میں تھا جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد تھے مثلاً عکرمہؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ پھر اہل کوفہ میں جو حضرات ابن مسعودؓ کے اصحاب تھے جیسے حسن بصریؒ اور مسروق وغیرہ' ان کے علاوہ سعید بن جبیرؒ، ابوالعالیہؒ، ضحاکؒ اور قتادہؒ کو علم تفسیر میں ملکہ حاصل تھا۔(۵) تبع تابعین کے دور (جو تقریباً دوسری ہجری کے خاتمہ تک جاری رہا) میں تفسیر کی کتابیں مدون کی گئیں اور علم تفسیر ایک علیحدہ فن کی شکل میں سامنے آیا مگر اس ضمن میں اختلاف ہے کہ کونسی تفسیر کو مقام اولیت حاصل ہے جیسے تفسیر ابن جریج، تفسیر سفیان بن عیینہ، تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ، تفسیر ابوبکر ابن ابی شیبہ وغیرہ مگر یہ سب مٹ چکی ہیں۔(۶)

دور تابعین پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ہمیں تفسیری ارتقاء میں کچھ مخصوص رجحانات ومیلانات نظر آتے ہیں مثلاً اس دور میں عہد صحابہ کے مقابلے میں اختلافات کی خلیج گہری ہوگئی اور مذہبی اختلافات کی بنیاد پڑی جیسے عقیدہ تقدیر کے حامیوں ومنکروں نے اپنے اپنے نظریات کی اپنی تفسیروں میں نمائندگی شروع کر دی وغیرہ۔

دور تابعین میں وہی منقولی طریقہ رائج رہا مگر اس میں تبدیلی واقع ہوئی کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے شہر کے امام وعالم کے کے اقوال سے ہی اپنی تفسیر میں استفادہ کرتے جیسے اہل مکہ حضرت ابن عباسؓ سے، اہل مدینہ حجرت ابی بن کعب سے اور عراقی حضرت ابن مسعودؓ سے۔

تیسری صدی ہجری میں تدوین کتب کا عام رواج ہوگیا۔اسی دور میں صحاح ستہ لکھی گئیں جس میں ایک باب ''کتاب التفسیر'' ہوتا تھا جو تفسیری روایات پر مشتمل ہوتا تھا۔البتہ اس مقام پر پہنچ کر علم تفسیر، احادیث سے علیحدہ ایک فن کی شکل میں سامنے آیا اور قرآنی ترتیب کے مطابق ایک ایک آیت اور سورت کی تفسیر لکھی جانے لگی۔

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں کہ:

''تفسیر تیسرے مرحلے پر پہنچ کر حدیث نبوی سے الگ ہوگئی اور اس نے ایک مستقل علم کا روپ اختیار کر

لیا۔قرآنی ترتیب کے مطابق ہر آیت کی تفسیر ہونے لگی اور یہیں سے تفسیری اسالیب ومناہج اور رجحانات تفسیری وسعت کا باعث بنے''۔(۷)

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری میں مکمل قرآن کی تفسیریں لکھی جانے لگیں۔تفسیر ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)،تفسیر ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)،تفسیر امام حاکم (م ۳۹۵ھ)،تفسیر ابن منذر (م ۳۱۸ھ)، تفسیر ابن حیان (م ۳۶۹ھ) اس دور کی اہم تفاسیر ہیں جن میں سے ابن جریر طبری کی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' کو آج تک مقام اولیت حاصل رہا ہے۔قرآن کی تشریح کے سلسلے میں انہوں نے اس وقت دستیاب تمام روایات کو جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح وتعدیل کا کام دوسرون کے لئے چھوڑ دیا ہے۔اگر چہ بعض اقوال کو کہیں کہیں راجح اور بعض کو مرجوح بھی قرار دیتے ہیں۔اس دور کی تفاسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفسیر بالماثور کی حدود میں رہتے ہوئے قرآن،حدیث،اقوال صحابہ وتابعین ہی کی روشنی میں لکھی گئیں مگر ان میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ پہلے کی طرح اسناد کی شرط باقی نہ رہی۔نتیجۃً بلاسند تفسیری اقوال نقل کرنے سے بہت سی من گھڑت باتیں تفسیر میں شامل ہوگئیں اور ان میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔

خلافت عباسیہ سے لے کر آج تک تفسیر کا جو دور رائج ہے اس میں روایت کے ساتھ درایت کا بھی استعمال ہونے لگا اور نقل وعقل میں رفتہ رفتہ آمیزش کی ابتداء ہوئی لہٰذا منقولی کے علاوہ معقولی تفاسیر بھی وجود میں آئیں۔

## اردو تفسیری رجحانات:

قرآن کے ہر پہلو کو انسانیت کے سامنے روشن کرنے کے لیے مسلمان اہل علم نے اپنے اپنے انداز میں کوششیں کیں۔سب سے پہلی تفسیر مولانا نظام الدین حسن بن محمد بن حسین شافعی کی ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' ہے اس تفسیر کو دولت آباد (دکن) میں مکمل کیا گیا۔ابوبکر اسحاق بن تاج الدین ابوالحسن (م ۷۳۶ھ) کی تفسیر ''جواہر القرآن'' کی اولیت پتہ چلتی ہے جس کا خلاصہ آپ نے ''جواہر القران فی بیان معانی فی القرآن'' کے نام سے تحریر کیا جو برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔(۸) اس کے علاوہ بھی عربی تفاسیر لکھی گئیں لیکن ان کا دائرہ علما اور عربی دان طبقے تک محدود رہا۔اس وقت مسلمانوں کی علمی وسرکاری زبان فارسی تھی اس لیے فارسی زبان میں بھی تفاسیر کی ضرورت محسوس کی گئی اور اعلیٰ پائے کی تفاسیر قلم بند کی گئیں۔جس میں **منہج الصادقین** معروف تفسیر ہے۔(۹)

جب مقامی زبانوں میں تفسیر نگاری کی ابتداء ہوئی تو ہندوستان میں ہندی زبان میں جو بعد میں اردو کہلائی قرآنی ترجمہ وتفسیر کو بہت تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔اگر چہ اردو زبان ہندوستانی زبانوں کے مقابلے سب

سے کم سن اور دیگر بین الاقوامی زبانوں کے درمیان بھی کم عمر ہے مگر چینی زبان کے بعد دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے اس میں ۷۵ فیصد الفاظ قرآنی اپنے اصلی تلفظ اور معانی مقررہ کے ساتھ جوں کے توں استعمال کئے جاتے ہیں اردو زبان میں علوم قرآنی سے متعلق کتب کی تعداد غالباً ایک ہزار سے زائد ہے جن میں سے مکمل وجزوی تراجم وتفاسیر ساڑھے چار سو ہیں۔(۱۰)

مسلمان ہند میں اپنے ساتھ عربی وفارسی زبان لائے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے ہندوستانی مقامی بولیاں استعمال کیں۔مشہور سیاح بزرگ بن شہریار نے اپنے سفر نامہ ''عجائب الہند'' میں لکھا ہے کہ کشمیر کے راجہ مہروک بن رائق تاجدار ''الرا'' کی فرمائش پر ۲۷۰ھ ۸۳۸ء میں منصورہ کے امیر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے کسی عراقی الاصل سندھی عالم جس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی تھی اور جو یہاں کی مختلف زبانیں جانتا تھا سے ہندی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھوائی جو سورہ یٰسین تک ہی لکھی گئی تھی۔(۱۱)

چودھویں صدی عیسوی کی پہلی دھائی میں اردو نثر کا آغاز دینی کتابوں سے ہوا۔خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۱۴۰۵ء) کا رسالہ ''اخلاق وتصوف'' ۱۳۰۸ء کی پہلی باقاعدہ تصنیف کہلاتی ہے۔گرچہ اردو زبان میں تراجم وتفاسیر قرآنی کی ابتداء سولہویں صدی عیسوی کی آخری دھائی (دسویں صدی ہجری) سے شروع ہوتی ہے جو کچھ سورتوں یا پاروں پر مشتمل ہیں دراصل دسویں وگیارویں صدی ہجری میں تراجم پر تفسیری حاشیے چڑھا کر ان کو تفسیر کہا گیا جو مختلف مخطوطوں کی شکل میں مختلف لائبریریوں میں آج بھی موجود ہیں۔یہ زیادہ تر دکن میں لکھے گئے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر مصنفین کے نام بھی معلوم نہیں ہوتے۔ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اردوئے قدیم'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(۱۲)

اردو میں ترجمہ وتفاسیر کا آغاز سولھویں صدی عیسوی میں ہوا۔لیکن یہ سلسلہ چند سیپاروں اور سورتوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔شمالی ہند میں پہلی مقبول عام اردو تفسیر شاہ مراداللہ انصاری سنبھلی کی تصنیف خدائی نعمت بہ معروف تفسیر مرادی ہے جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے اور پارہ عم کی تفسیر ہے۔:''تفسیر مرادیہ سے پہلے کوئی ایسی مفصل اردو تفسیر نہیں لکھی گئی تھی اس لیے اسے قرآن مجید کی پہلی اردو تفسیر کہنا چاہیے''۔(۱۳) اس تفسیر کا انداز علمی نہیں بلکہ تبلیغی ہے لیکن نثر کی قدامت کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ کام کی باتیں کیسی سلجھی ہوئی عبارت میں بیان کر دی گئی ہیں۔(۱۴) اس تفسیر کو نثری سرمایے کے اعتبار سے دبستان دہلی کی نثر پر فوقیت حاصل ہے کہ یہ تفسیر شاہ عبدالقادر کے موضح قرآن سے پہلے لکھی گئی تھی۔سید ابوالخیر کشفی کہتے ہیں:

''ادبی طور پر یہ کتاب نہایت اہم ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز سمجھتا ہوں۔ اس میں سادگی کے باوصف بڑی قوت ہے، باغ و بہار کے اسلوب کا حسن میر امن سے پہلے شاہ مراد اللہ کی تفسیر میں نہایت حسن اور کمال سے ملتا ہے''۔(۱۵)

قرآن کا پہلا ترجمہ آج سے تقریباً چار سو سال پہلے ہندوستانی زبان ''باکھا'' میں کیا گیا جواب ناپید ہے مشہور بزرگ مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی نے ایک روز عصر کے وقت اپنے خلیفہ مولانا محمد علی مونگیری کو بلا کر فرمایا کہ ''مولوی عبدالقادر صاحب کے ترجمے (۱۷۹۰ء) سے دو سو برس پیشتر ''باکھا'' میں بہت عمدہ ترجمہ قرآن شریف کا ہوا ہے جسے ہم نے دیکھا ہے۔''(۱۶)

ابتدائی تراجم میں قاضی محمد معظم سنبھلی کا ترجمہ جو انہوں نے ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء میں لکھا تھا طبع نہ ہو سکا مگر خطی نسخہ موجود ہے کو پہلا اردو ترجمہ کہہ سکتے ہیں جو خالص اردو میں تو نہیں بلکہ عربی و فارسی کے میل جول سے پیدا ہونے والی زبان میں تھا۔(۱۷)

بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں شمالی ہند میں پہلی مرتبہ باقاعدہ تفسیر نگاری کی بنیاد پڑھی جب شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کی پارہ ''عم'' کی تفسیر ''خدائی نعمت'' معروف بہ ''تفسیر مرادی'' جو ۲۴ محرم بروز جمعہ ۸۵۔۱۱۸۴ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ تفسیر پہلی مرتبہ ۱۲۴۷ھ میں ہوگلی میں طبع ہوئی مگر وہابی لٹریچر سمجھ کر حکومت بنگال نے اسے ضبط کر لیا پھر دوسری مرتبہ ۱۲۶۰ھ اور پھر تیسری بار ۱۲۹۸ھ میں شایع ہوئی۔(۱۸)

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن مع حواشی اور حکیم محمد شریف کا تشریحی ترجمہ اردو تفاسیر کے ارتقائی سفر میں اہمیت کے حامل ہیں لیکن سر سید احمد خاں کی تفسیر بدلتے ہوئے حالات کی اہم ترین تفسیر کہی جا سکتی ہے۔ وہ اس لیے کہ سر سید نے انیسویں صدی کے فلسفے اور سائنس کی روشنی میں قرآن کے مفہوم کو عجب معنی پہنائے اور قرآن کے بعض مقامات کو بائبل کے قصص کی روشنی میں دیکھا ہے۔ معجزات کا انکار کیا اور صحیح معنوں میں مسلک اعتزال کو نئے لباس اور اضافوں کے ساتھ پیش کیا۔ اس تفسیر میں وہ روایات سے بغاوت کی آخری حد تک پہنچ گئے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے خیال میں اسلوب کے اعتبار سے یہ نہایت مربوط اور منظم تصنیف ہے اور اس میں مذہبی اور علمی اصطلاحات کی وہ بھرمار نہیں جو عام طور پر تفسیر کا خاصہ ہے۔(۱۹)

اب ہم ذیل میں چند اہم اردو تفاسیر کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں جس سے اس تفسیری رجحان کو سمجھنے میں مدد ملے گے کہ برصغیر پاک و ہند میں اردو تفاسیر کا ارتقاء کیسے ہوا اور پھر زمانی تغیر کے ساتھ ساتھ اس میں کون کون سے نئے رجحان سامنے آئے۔

## تفسیر بیان القرآن:

یہ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں مکمل کیا تھا جو پہلی مرتبہ ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۲ جلدوں میں شائع ہوا۔ میرے زیر مطالعہ نسخہ مطبوعہ ۱۳۵۳ھ رہا ہے جس کی بارہ جلدیں ہیں اور ہر جلد ڈھائی سپارے کا ترجمہ وتفسیر ہے۔

مولانا تھانوی تحت السطور ترجمہ کے ساتھ ''تفسیر بیان القرآن'' ایک مقبول ترین تصنیف ہے جس کے بے شمار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس میں قرآنی متن کے نیچے اردو ترجمہ اور بقیہ صفحہ پر تفسیر ہے۔ کہیں کہیں تفسیر اتنی طویل ہے کہ مکمل صفحات پر ہی نظر آتی ہے۔ اس ایڈیشن میں پہلی مرتبہ مولانا نے اپنے دو رسالے شامل کئے ہیں۔ پہلا رسالہ ''مسائل السلوک لک کلام ملک الملوک'' جو عربی زبان میں ہے اس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ ''رفع الشکوک فن ترجمہ مسائل السلوک'' ہے۔ یہ دونوں رسالے تفسیر کے حاشیہ پر درج ہیں۔ ان میں سلوک کے مسائل پر آیات قرآنیہ سے نصاً یا استنباطاً استدلال کیا گیا ہے۔ ہر جلد کے آخر میں اپنے ایک اور رسالے ''وجوہ المثانی فی توجیہ الکلمات والمعانی'' (زبان عربی) کے چنیدہ حصے بھی شامل کئے ہیں اس رسالے میں قرأت سبعہ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ رسالہ کا جس قدر مضمون جس جلد کے متعلق تھا اس کو ہر جلد کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۳۵۳ھ) میں مولانا نے تمہید ثانی بعنوان ''تمہید نظر ثانی'' بھی لکھی ہے۔ اس میں مولانا نے تحریر کیا ہے کہ تفسیر کے اس سے قبل کے ایڈیشنوں میں ایسی ترمیمات کر دی گئی ہیں جو انہیں ناپسند تھیں لہٰذا انہوں نے چاہا کہ تفسیر مع ترمیم واضافہ کے اس طرز پر جس پر آپ نے اصل مسودہ لکھا تھا طبع ہو جائے آپ کی یہ تمنا آپ کے برادر زادہ مولانا شبیر علی صاحب مالک اشرف المطابع، تھانہ بھون نے اس تفسیر کو طبع کرا کے پوری کر دی۔ اس تفسیر میں مولانا نے مناسب ترمیم بھی کی اور اس کا نام بھی اضافہ کے ساتھ ''مکمل بیان القرآن'' تجویز فرمایا۔

مولانا کے سبھی تفسیری نسخوں میں آپ کا تحریر کردہ ''خطبہ تفسیر بیان القرآن'' شامل ہے جو نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

## اسلوب تحریر:

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں جن اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مکیت ومدنیت آیات وسور ۲۔ غیر مشہور لغات ۳۔ ضروری وجوہ بلاغت ۴۔ مغلق ترکیب

۵۔خفی استنباط فقہیات وکلاعیات ۶۔اسباب نزول ۷۔ روایات واختلافات قرات مغیرہ ترکیب یا حکم وتوجیہ ترجمہ وتفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہیں۔شروع سے آخر تک ہر سورہ اور ہر آیت کا ربط ماقبل کے ساتھ نہایت سہل اور قریب تقریر میں بلا التزام بیان کیا گیا ہے۔(۲۰)

## تفسیر ثنائی:

مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی آٹھ جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے جو مولانا کی زندگی میں ان کے زیر اہتمام امرتسر کے چشمۂ نور پریس سے سات جلدوں میں شائع ہوئی۔جس کی طبع اول ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں شروع ہوئی اور یہ سلسلہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء تک جاری رہا۔زیر بحث تفسیر ثنائی کا وہ نسخہ ہے جس کو ارشد بن حاجی محمد سلطان نے ۱۰ جولائی ۱۹۷۹ء میں ثناءاللہ امرتسری اکیڈمی ۲۴۴۰ جی بی روڈ، دہلی سے شائع کرایا۔مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر ثنائی لکھنے کی وجہ خود ہی تحریر کرتے ہیں:

> ''اس تفسیر کے لکھنے کا خیال مجھے دو وجہ سے پیدا ہوا۔ایک تو میں نے دیکھا کہ مسلمان عموماً فہم قرآن شریف سے ناواقف بلکہ شناخت حروف سے بھی نا آشنا ہیں ایسے وقت میں عربی تصانیف سے ان کا فائدہ اٹھانا قریب محال ہے۔اردو تفاسیر سے بھی بوجہ کسی قدر طوالت کے عام لوگ مستفید نہیں ہو سکتے نیز ان کا طرز بیان خاص طریقے پر ہے۔دوم میں نے مخالفین کے خال پر غور کیا تو باوجود بے علمی وہی چدانی کے مدعی ہمہ دانی پایا۔خدا کی پاک کتاب پر منہ کھول کھول کر معترض ہو رہے ہیں حالانکہ کل سرمایہ ان کا سوائے تراجم اردو کے کچھ نہیں جس میں سے بعض تو تحت لفظی ہیں اور اس کے محاورات بھی انقلاب زمانہ سے منقلب ہو گئے اس لئے وہ بھی مطلب بتلانے سے عاری ہیں لہٰذا میں نے قرآن کریم کو جامع علوم عقلیہ اور نقلیہ بالخصوص علم مناظرہ میں امام پایا۔دعوی پر دلیل ایسے ڈھب کی ادا ہوتی ہے کہ ہر ایک درجہ کا آدمی اس سے فائدہ لے سکے گو اس کی فاضلانہ تقریر کے لئے بہت بڑے علم اور خوض کامل کی ضرورت ہے۔گو تراجم با محاورہ بھی ہوں مگر جب تک حسب موقع شرح نہ کی جائے عام بلکہ متوسط درجے کے خاص بھی فہم مطالب کما حقہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے بالخصوص ایک مسلسل بیان کی صورت میں لایا جائے (جیسا کہ اس عاجز نے کیا) تو عجیب ہی لطف پیدا کرتا ہے''۔(۲۱)

تفسیر کی ابتداء میں مولانا ثنائی کے حالات وسوانح بھی درج ہیں۔تفسیر کے مقدمہ میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ثبوت میں چند دلائل دیئے ہیں چونکہ آپ کا خیال ہے کہ ہر کتاب کے دیکھنے سے پہلے صاحب کتاب کی وجاہت کا لحاظ بھی ضروری ہے۔مقدمہ کے آخر میں قرآن شریف کے حروف، حرکات، نقاط، کلمات و آیات وغیرہ کی تعداد ایک ٹیبل کی شکل میں درج کر دی گئی ہے اور فہرست رموز واوقات بھی موجود ہے۔تفسیر ثنائی کا اردو ترجمہ بامحاورہ، سادہ عام فہم اور سلیس زبان میں ہے۔

## اسلوب تحریر:

تفسیر ثنائی تفسیر بالماثور پر مشتمل کتب میں سے ایک ہے۔جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں سلف صالحین کے مسلک کی نمائندگی کی گئی ہے۔مولانا ثنائی کا تعلق فکری طور پر اہل حدیث گروہ سے تھا اسی لئے آپ بدعات کے سخت خلاف تھے اور پیری مریدی کے قائل بھی نہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر میں آپ نے تصوف کے مسائل کو بالکل بھی جگہ نہیں دی۔آپ نے تفسیر میں بکثرت احادیث کا استعمال کیا ہے اور حضور سے غیر معمولی محبت کا اظہار آپ کی کتب میں ملتا ہے۔

تفسیر ثنائی کے متعلق ڈاکٹر صالحہ فرماتی ہیں:

> ''تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے، ترجمہ بامحاورہ، ربط آیات کا انداز لئے ہوئے، حواشی مناظرانہ طرز کے جن میں فرق باطلہ اور ادیان باطلہ کا بالخصوص نیچری، چکڑالوی، مرزائی اور بدعتی عقائد کی بڑی کامیابی سے تردید کے ساتھ ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے اعتراضات اور ان کے معقول مدلل جوابات دیئے گئے ہیں۔خصوصاً سرسید کے خیالات کی تردید خوب خوب کی ہے۔''(۲۲)

مولانا ثناءاللہ کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ حضور کی رسالت کا دلائل سے اثبات ہے۔اس لئے کہ ہر ایک کے لئے چند امور کو بنیاد بناتے ہیں۔حضور ﷺ کے انتظام ملکی، زھد، تعلیم اور عملی طریق جیسے معاملات کے دلائل پیش کرتے ہیں۔پھر بائبل کے بیان کو دلیل بناتے ہیں۔بعض مقامات کے حل مطالب میں شان نزول کا ذکر بھی ضروری سمجھتے ہیں اور ہر آیت سے متعلق جہاں تک معقول ہو اس کو نقل بھی کرتے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم حسب موقع نازل ہوتا رہا اور اس موقع کا پہلے موقع سے جس وقت پہلی آیت اُتری تھی کے مطابق اور موافق ہونا بھی ضروری نہیں مگر اس وجہ سے کہ سورتوں کی ترتیب نبی

کریم ﷺ کے ارشاد سے ہوتی تھی تو کوئی نہ کوئی مناسبت سابق کو لاحق سے ضرور ہے۔ یہ مناسبت اتنی نہیں پھر بھی فعل نبوی ﷺ کا بھی تو کچھ استحقاق ہے اس لئے میں نے ایک آیت کو دوسری سے جوڑ دیا اور تلاش کرنے سے کچھ نہ کچھ مناسبت بھی پائی۔ اکثر تفاسیر ہی سے حاصل کیا ہے۔ گویا کہ آپ کا طرز بیان جدا ہے۔ (۲۳)

## تفسیر ماجدی:

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے دسمبر ۱۹۴۱ء میں اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کی تکمیل کے فوراً بعد ہی اردو ترجمہ وتفسیر کو تصنیف کرنا شروع کیا۔ جس کو بمقام دریاباد، بارہ بنکی دوشنبہ ۱۸ رجب ۱۳۶۳ھ، ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء میں مکمل کیا۔ اس وقت آپ کی عمر اکیاون (۵۱) برس تھی۔ تفسیر ماجدی کو پہلی مرتبہ اگست ۱۹۵۲ء میں تاج کمپنی کراچی نے مکمل شکل میں شائع کیا۔ جس کی ضخامت ایک ہزار دوسو سولہ صفحات ہے۔

ہندوستان میں مولانا دریابادی صاحب کی انگریزی تفسیر مکمل شکل میں کئی مرتبہ شائع ہوئی مگر اردو تفسیر مکمل طور پر اب پہلی مرتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام'' کے ذریعے چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

تفسیر کے مقدمہ میں مولانا دریابادی صاحب نے قرآن کا غیر عربی زبان میں ترجمہ کرنے پر جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

تنویر المقیاس، تفسیر القرآن الکریم، تفسیر جامع البیان، الکشاف، مفاتیح الغیب معروف التفسیر الکبیر، الجامع لاحکام القران، معالم التنزیل، تفسیر ابن کثیر، انوار التنزیل معروف بہ تفسیر بیضاوی، مدارک التنزیل، البحر المحیط، روح المعانی، تفسیر القیم، جلالین، تفسیر خازن، تفسیر نیشاپوری، تفسیر ابی سعود نظام القرآن، النہر القیط برحاشیہ البحر المحیط، تفسیر القرآن، تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن۔

خلاصۃ التفاسیر، مواہب الرحمٰن، فتح المنان معروف بہ تفسیر حقانی، تفسیر ثنائی، تفسیر مظہری (ترجمہ)، ترجمہ تفسیر فتح العزیز، غایۃ البیان فی تفسیر القرآن، بیان القرآن، تفہیم القرآن، حواشی شبیری، ترجمان القرآن، مسائل السلوک من کلام الملوک۔

## تفہیم القرآن:

اس مشہور ومعروف تفسیر کے مؤلف بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ ہیں۔ اس تفسیر کو آپ نے محرم ۱۳۶۱ھ مطابق فروری ۱۹۴۲ء میں لکھنا شروع کیا اور مصروفیات کے سبب یہ سلسلہ جاری رہا اور تئیس سال

چار ماہ بعد ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ، ۷ جون ۱۹۷۲ء میں یہ ترجمہ وتفسیر مکمل ہوئی۔ ہر جلد کے شروع میں فہرست مضامین اور فہرست نقشہ جات ہے۔ جلد اول میں مولانا کا تحریر کردہ ایک طویل دیباچہ اور مقدمہ ہے جس میں تفہیم القرآن کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر سورہ کی شروعات دیباچہ سے کی گئی جس میں اس کے نام کی وجہ تسمیہ، زمانۂ نزول، تاریخی پس منظر اور موضوع ومضمون وغیرہ مختصراً بیان کئے گئے ہیں۔ ہر صفحہ کی ابتداء میں عربی متن میں کچھ آیات درج کی گئی ہیں اور ان کے نیچے ترجمہ اور پھر باقی صفحہ پر نمبروار تفسیری حواشی درج ہیں جو اکثر کئی صفحات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ صاحب نے اپنی تفسیر کو درحقیقت اوسط درجے کے تعلیم یافتہ غیر عربی داں حضرات کے لیے تحریر کیا ہے۔ چونکہ آپ کے پیش نظر ایک مخصوص طبقہ تھا لہذا آپ نے اہم اصطلاحی تفسیری مباحث کو چھوا تک نہیں جو ان حضرات کے لیئے غیر ضروری تھے۔ اس کے علاوہ قرآن کو پڑھ کر جو مفہوم ان کی سمجھ میں آیا اور جو اثر ان کے دل پر پڑا اسے حتی الامکان بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر تفہیم القرآن کی اردو سلیس، شستہ، شیرین، دلکش، رواں، عام فہم اور معیاری ہے مولانا مودودیؒ نے لفظی ترجمہ یا بامحاورہ ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ نے قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے تقریر کی زبان کو پورے احتیاط کے ساتھ تحریر کی زبان میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اس کے علاوہ ہر آیت کا ایک پس منظر اور شان نزول ہوتا ہے۔ لفظی ترجمہ مین جس کو مجمل طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا مودودیؒ نے اٹھائیس صفحات پر مشتمل تفہیم القرآن کا طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں دو مقاصد آپ کے پیش نظر تھے ایک قاری کو ایسی باتوں کی معلومات فراہم کر دینا جن کو سمجھنے کے بعد قرآن فہمی آسان ہو جائے دوسرے پہلے ہی سے ان سوالوں کے جواب دے دینا جو مطالعہ قرآن کے دوران اٹھ سکتے ہیں۔

## اسلوب تحریر:

سید مودودی کا تصور تفسیر بہت سادہ اور فکر انگیز ہے۔ قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے سب سے پہلے قرآن ہی سے رہنمائی لیتے ہیں پھر احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں، پھر اقوال صحابہ کو سامنے رکھتے ہیں۔ سید مودودی کا تصورِ تفسیر اور ان کے اصول تفسیر ان کے خطوط اور تفہیم القرآن کے صفحات پر بالکل نمایاں ہیں ایک خط میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کی کسی آیت سے متعلق کوئی سوال پیدا ہو، تو خود قرآن سے اس کا مفہوم معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے بعد تحقیق کرنی چاہیے کہ آیا کوئی حدیث صحیح اس کی توضیح کرتی ہے۔ (۲۴) قرآن مجید کی تاویل و تعبیر کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں سید مودودی رقم طراز ہیں:

''قرآن مجید کی تاویل وتعبیر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس آیت کے معنی سمجھنا چاہتے ہوں پہلے عربی زبان کے لحاظ سے اس کے الفاظ وتراکیب پر غور کریں۔ پھر اسے سیاق وسباق میں رکھ کر دیکھیں، پھر اسی مضمون سے تعلق رکھنے والی دوسری آیات جو قرآن میں مختلف مقامات پر موجود ہیں ان کو جمع کر کے دیکھیں''۔(۲۵) سید مودودی قرآن کی تفسیر میں احادیث سے رہنمائی لیتے ہوئے بھی قرآن کے معنی کو ہی اہمیت دیتے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں: قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی''۔(۲۶)

سید مودودی تفہیم القرآن میں قرآنی پیغام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے تفسیر کرتے ہیں وہ قرآن کی تفہیم میں قرآن سے رہنمائی لینے کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ سے زائد کوئی مطلب لینا چار ہی صورتوں میں درست ہوسکتا ہے یا تو قرآن ہی کی عبارت میں اس کے لیے کوئی قرینہ موجود ہو، یا قرآن میں کسی دوسرے مقام پر اس کی طرف کوئی اشارہ ہو یا کسی صحیح حدیث میں اس اجمال کی شرح ملتی ہو۔ یا اس کا کوئی اور قابل اعتبار ماخذ ہو''۔(۲۷)

ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کے مسلک کو اختیار کرنے کے باوجود سید مودودی قرآن کی تفسیر وتفہیم میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے ہیں اور قرآنی الفاظ کو وہی مفہوم پہناتے ہیں جو اس سیاق وسباق میں قرآن کا مطلوب ہو سکتے ہیں یا جتنی اجازت قرآن کے الفاظ دیتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''قرآن کی تفسیر میں میرا مسلک یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں جس حد تک وسعت ہے میں اس کی حدود میں رہ کر اس کی تفسیر کرتا ہوں۔ ان حدود سے باہر جا کر اپنے تخیل سے کوئی ایسی بات حتی الامکان بیان نہیں کرتا جس کی گنجائش الفاظ قرآن میں نہ ہو''۔(۲۸)

اردو کے تفسیری ادب میں بعض مفسرین نے شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے مسلک کو ترجیح دی ہے اس لیے ان کی تفاسیر میں مسلکی رنگ ضرور ابھرا ہے۔ ایسے مفسرین نے کسی مسئلے کو اپنے مسلک کے مطابق ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین کے انبار لگا دیے ہیں اور بہت ساری تفاسیر کی شناخت ہی مسلکی تفسیر کے طور قائم ہے۔ مگر سید مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن میں ایسی کوئی کوشش نظر نہیں آتی وہ اس لیے کہ ایک تو وہ فقہی معاملات میں تقلید جامد کے قائل نہیں دوسرا فقہا کی آرا ان کے نزدیک آخری سند نہیں ہیں۔ سید مودودی کی تفسیر میں مسلک کی چھاپ نہ ہونے کا تیسرا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تفسیر قرآن ہی سے کرتے ہیں پھر احادیث اور اقوال صحابہ کو معیار بناتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں یہ جملہ اکثر مقامات پر ملتا ہے۔''اس مضمون کو پوری طرح سمجھنے کے لیے قرآن

پاک کے حسب ذیل مقامات کو نگاہ میں رکھیے'' گویا وہ قاری کے ذہن میں ہر وقت قرآن ہی کا چراغ روشن رکھتے ہیں۔سید مودودی مسلکاً حنفی ہونے کے باوجود بعض اوقات حنفی مسلک سے بھی اختلاف کرتے ہیں۔ان کا قول ہے کہ قرآن کا مطالعہ تمام تعصّبات سے بالاتر ہو کر کرنا چاہیے۔ایسے مقامات جہاں فقہا یا علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے،سید مودودی تمام آئمہ اور فقہا کی رائے درج کر کے خود پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی عقل سلیم سے کس رائے کو ترجیح دیتا ہے۔سید مودودی مقام اختلاف کی نشان دہی کرتے ہوئے بڑے اعتدال اور توازن سے کام لیتے ہیں۔یوں تفہیم القرآن کو اس اعتبار سے اوّلیت حاصل ہے کہ کسی خاص مسلک کی نمایندہ تفسیر نہیں البتہ قاری کو دوران مطالعہ فقہی مذاہب کے تقابلی مطالعے کا موقع ضرور ملتا رہتا ہے۔ تفہیم القرآن میں سید مودودی نے اپنی آرا کا بھی اظہار کیا ہے جو ان کی علمیت،معتدل مزاجی،استدلال اور حقیقت پسندی کی عکاس ہیں۔ایسے معاملات میں سید مودودی ایک مخلص محقق کی طرح جس رائے کو قرآن وسنت کے قریب پاتے ہیں اسے اختیار کرتے ہیں۔جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں ان کا خیال ہے:

''ان احادیث سے استدلال کر کے اگر کوئی شخص آج مسجدوں کے فرش پر جوتے لے جانا چاہیے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔البتہ گھاس پر یا کھلے میدان میں جوتے پہنے پہنے نماز پڑھ سکتے ہیں۔وہ لوگ جو میدان میں نماز جنازہ پڑھتے وقت بھی جوتے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں وہ دراصل احکام سے ناواقف ہیں''۔(۲۹)

اس بحث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سید مودودی نے فقہی احکامات سے متعلق صحابہ،تابعین اور تبع تابعین کا خلاصہ پیش کر دیا ہے کیونکہ یہ لوگ قرآن کے مخاطب اوّل تھے۔ڈاکٹر خالد علوی نے درست کہا ہے:''سید مودودی نے فقہی مسلک سے بالاتر ہو کر قرآن کو قرآن ہی کی روح اور منشا کے مطابق سمجھنے کی جو سنجیدہ کوشش کی ہے وہ تفہیم القرآن کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔''(۳۰)

## تفسیر ضیاء القرآن:

اس تفسیر کو پیر محمد کرم شاہ بھیرہ ضلع سرگودھا (مغربی پاکستان) نے یکم رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دو شنبہ بمطابق ۲۹ فروری ۱۹۶۰ء کو تحریر کرنا شروع کیا اور ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ بروز خمیس بمطابق ۲۳ اگست ۱۹۷۹ء بوقت عصر مکمل کیا۔

تفسیر کے مقدمہ میں پیر صاحب قرآن کا تعارف کراتے ہیں اور مختصر طور پر جمع قرآن مجید کی تاریخ اور ترتیب قرآن بیان کرتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کے آداب امام غزالیؒ کی ''احیا علوم دین'' سے استفادہ کرتے

ہوئے تحریر فرماتے ہیں، نیز رموز اوقاف قرآن حکیم بیان کرتے ہیں۔

کتاب کے سلسلے میں آپ کا اسلوب یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے نیچے اردو ترجمہ تحریر کرتے ہیں جس کے بعد بقیہ صفحہ پر تفسیر بیان کرتے ہیں جو کبھی کبھی کئی صفحات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر جلد کی ابتداء میں فہرست مضامین اور فہرست نقشہ جات ہے اور ہر جلد کے آخر میں آپ منظّم فہرستیں ''تحقیات لغویہ''''التحقیات النحویہ''''فہرست مطالب'' دیتے ہیں جس سے قاری کو حسب منشاء مضامین نکالنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر آیت کے اردو ترجمہ کے ساتھ حاشیہ نمبر تحریر کرتے ہیں اور پھر نیچے حاشیہ نمبر لکھ کر اس آیت کی کبھی مختصر اور کبھی طویل تفسیر کرتے ہیں۔ پیر صاحب ہر سورہ سے پہلے اس کا مکمل تعارف کراتے ہیں جس میں سورہ کی آیتوں، رکوعوں، الفاظ، حروف کی تعداد، سوری کے مختلف ناموں کا ذکر اور اس کا مدنی یا مکی ہونا تحریر کرتے ہیں۔ پھر سورہ کا زمانہ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض ومطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کرتے ہیں جو کئی کئی صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس اہتمام کا مقصد آپ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ قارئین تعارت پڑھنے کے بعد سورہ کا مطالعہ کرتے وقت ان امور خصوصی پر زیادہ توجہ مبذول کر سکیں۔ قرآن میں جہاں جہاں عبادات، سیاسیات، معاشیات اور اخلاقیات وغیرہ کے مباحث کا بیان ہوتا ہے پیر صاحب اس کو ایسے واضح اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو عصر حاضر کا انسان آسانی سے سمجھ سکے اور قبول بھی کر سکے۔ پیر کرم شاہ صاحب آیت کی تفسیر اتنے سادہ اور عام فہم طرز پر کرتے ہیں کہ اس کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

## اسلوب تحریر:

اس تفسیر کا انداز تحریر دیگر تفاسیر سے جداگانہ ہے تفسیر کے مطالعہ اور مقدمہ کے انداز تحریر کے جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو اصول مفسرین کی توجہ کا مرکز رہے پیر کرم شاہ نے ان پر حسب موقع روشنی ڈالتے ہوئے زیادہ توجہ ان امور پر صرف کی ہے جو کہ ان کے عہد کے مسلمانوں کی ضرورت تھے۔ پیر کرم شاہ نے تفسیر لکھنے میں جو اصول پیش نظر رکھے وہ درج ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ ہدایت طلبی | ۲۔ لغت وادب | ۳۔ صرف ونحو |
| ۴۔ مجازات واختیارات | ۵۔ شریعت کی وضاحت | |
| ۶۔ تفکر وتدبر | | |

## تدبر القرآن:

تفسیر تدبر القرآن کی تصنیف کا کام مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ۱۹۵۸ء میں شروع کیا اور تقریباً ۲۳ سال کی مدت ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو بمقام لاہور میں مکمل کیا۔ تفسیر تدبر القرآن کی مدت تحریر اور اس کی فکر کے متعلق مولانا اصلاحی کتاب کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

''اس کتاب کی تحریر کا کام تو جیسا کہ عرض کیا ۱۹۵۸ء میں شروع ہو لیکن اس کے لئے فکری تیاریوں میں ۱۹۵۲ء ہی سے لگ گیا تھا۔ یہی سال ہے جس میں مجھے مولانا فراہیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جس کا سلسلہ پورے پانچ سال قائم رہا۔ اس کے بعد سے قرآن مجید میرے غور و فکر کا مستقل موضوع بن گیا۔ اس پہلو سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ کتاب میری پچپن سال کی کاوشوں کا نچوڑ ہے۔ لیکن اس میں صرف میرا ہی فکر نہیں ہے بلکہ میرے استاد کا فکر بھی ہے۔۔۔۔ میرا فکر میرے استاد کے فکر سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ استاد مرحوم کے تکر کی توضیح و تکمیل ہے۔۔۔ (مولانا فراہی کے قرآن میں فکر کی) یہ مدت سرسری اندازے کے مطابق کم و بیش تیس پینتیس سالوں پر ممتد ہے۔ جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ تدبر القرآن کے کم و بیش چھ ہزار صفحات میں تقریباً ایک صدی کا وہ فکری مواد آپ کے سامنے آیا ہے جس کو آپ فکر فراہی سے موسوم کر سکتے ہیں''۔ (۳۱)

## اسلوب تحریر:

تدبر قرآن کے مقدمہ میں مولانا اصلاحی صاحب تفسیر لکھنے کا مقصد اپنے الفاظ میں یہ بیان کرتے ہیں۔

''اس کتاب کے لکھنے سے میرے پیش نظر قرآن حکیم کی ایک ایسی تفسیر لکھنا ہے جس میں میری دلی آرزو اور پوری کوشش اس امر کے لئے ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث ولگاؤ اور ہر قسم کے تعصب و تخریب سے آزاد اور پاک ہو کر ہر آیت کا وہ مطلب سمجھوں اور سمجھاؤں جو فی الواقع اور فی الحقیقت اس آیت سے نکلتا ہو۔۔۔''

تدبر قرآن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے تیس صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے جس سے آپ کے طرز و انداز پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب نے چونکہ تفسیر میں براہ راست تدبر کا طریقہ اختیار کیا ہے جس کا خاص مقصد لوگوں کو قرآن میں غور و فکر کرانے کی طرف راغب کرنا ہے لہٰذا فقہی مسائل کی

طرف آپ نے سرسری توجہ ہی صرف کی ہے مگر شریعت کے احکام ومسائل میں جو مصلحت پوشیدہ ہے آپ اس کو عام فہم بنا کر نمایاں کر دیتے ہیں اور آپ سارا زور احکام ومسائل کے مقاصد وحکمت بیان کرنے پر ہی صرف کرتے ہیں مثلاً وراثت نکاح وغیرہ کے مصالح کو آپ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے جبکہ آپ مختلف ائمہ مجتہدین کے بیان کو قطعی بیان نہیں کرتے الّا یہ کہ شاذ ونادر۔ البتہ فقہاء نے جن بعض مسائل مثلاً اسلامی حدود وتعزیرات کے ضمن میں جو قیود نافذ کی ہیں جہاں آپ ان سے اختلاف کرتے ہیں تو اس کو بیان فرما دیتے ہیں۔

مولانا اصلاحی صاحب قرآن کو سات گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں ہر گروپ کی ابتداء ایک یا زائد مکی سورتوں میں ہوتی ہے اور خاتمہ ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔ اس طرح ہر گروپ میں مکی سورتیں پہلے آتی ہیں اور مدنی سورتیں بعد میں۔

اس کے علاوہ مولانا اصلاحی صاحب نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ جس طرح ہر سورہ کا ایک متعین موضوع ہے اسی طرح ہر گروپ کا بھی ایک جامع عنوان ہے جو پورے گروپ پر حاوی نظر آتا ہے۔ اس طرح آپ ثابت کر دیتے ہیں کہ قرآن کی یہ موجودہ حکمت پر مبنی وہی ترتیب رسولی ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

## معارف القرآن:

مولانا مفتی محمد شفیع اس تفسیر کے مؤلف ہیں جس کی اول اشاعت ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۲ء میں بیت الحکمت دیوبند یوپی سے آٹھ ضخیم جلدوں میں ہوئی۔ تفسیر کے فاتحہ الکتاب کو مولانا نظر شاہ کشمیری نے تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے مولانا مفتی صاحب سے اپنے خصوصی تعلق کو بیان کیا ہے۔ دوسرا عنوان ''تفسیر عہد بعہد'' ہے جس میں تفسیر کی سرگذشت، ہندوستان میں تفسیر اور علوم القرآن پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے، تمہید میں ''مختصر سرگزشت مصنف'' کے عنوان سے خود مفتی صاحب نے اپنی سوانح بیان کی ہے۔ ''معارف القرآن کی ابتداء ریڈیو پر'' کے عنوان میں آپ بیان کرتے ہیں کہ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۴ء میں ریڈیو پاکستان کے روزانہ نشر ہونے والے درس قرآن کے متعلق آپ کی فرمائش کی گئی جس کو آپ قبول نہ کر سکے مگر ان کی دوسری تجویز ہفتہ میں ایک یوم بروز جمعہ تفسیر کی نشریات کو آپ نے بلا معاوضہ کی شرط پر قبول کر لیا۔ جس میں عام مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کے پیش نظر خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے ان کی تفسیر اور اس سے متعلقہ احکام ومسائل کا بیان کرنا تھا۔ اس طرح یہ درس معارف القرآن ۳ شوال ۱۳۷۳ھ بمطابق ۲ جولائی ۱۹۵۴ء سے شروع ہو کر جون ۱۹۶۴ء (سورہ ابراہیم کے ختم تک) کے دوران ریڈیو پر نشر ہوتا رہا۔ جس کے بعد کے حصے ماہنامہ ''البلاغ'' دارالعلوم کراچی سے جاری کر دیئے گئے۔ اس

طرح دس سال درس کی ریڈیو نشریات نے غیر ارادی طور پر ایک ضخیم جلد معارف القرآن کی تیار کرادی اور سامعین کے سخت اصرار پر مفتی صاحب نے اسے کتابی شکل میں جمع کرنے کا اہتمام ۲۲ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۶ جولائی ۱۹۶۳ء میں شروع کیا۔ یہ تفسیر اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی لائبریری میں موجود ہے اور آسانی سے برصغیر پاک و ہند میں دستیاب ہے۔

## اسلوب تحریر:

تفسیر معارف القرآن میں مفتی صاحب نے اسلامی فرقوں اور ان کے عقائد کو اہمیت نہیں دی بلکہ جدید مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور اس کا حل بتایا ہے۔ مثلاً سورہ اعراف کی تفسیر کے دوران آپ تحریر کرتے ہیں:

> ''جب موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر جا کر اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے ساتھ حضرت ہارونؑ سے فرمایا ''اخلفنی فی قومی'' یعنی میرے پیچھے آپ میری قوم میں میری قائم مقامی کے فرائض انجام دیں۔ کوئی رہنما کہیں جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس قوم کا انتظام کر کے جائے نیز یہ ثابت ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار حضرات جب کہیں سفر کریں تو اپنا قائم مقام اور خلیفہ مقرر کر کے جائیں''۔ (۳۲)

اس طرح آپ سورہ سے مسئلہ اور فائدہ بیان کرنے کے بعد اس کی تائید میں احادیث اور مفسرین کے اقوال بیان کرتے ہیں جو زیادہ تر مظہری، قرطبی، بیان القرآن، روح المعانی، روح البیان، تفسیرات احمدیہ وغیرہ سے اخذ کی گئی ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب ربط آیات وسور بیان کرنے کا بھی خصوصی اہتمام کرتے ہیں جو معتبر کتب تفسیر یا، خود کی بیان کردہ ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ مریم میں فرماتے ہیں کہ:

> ''سورہ کہف کے بعد سورہ مریم اس مناسبت سے رکھی گئی ہے جیسے سورہ کہف بہت سے واقعات عجیبہ پر مشتمل تھی اسی طرح سورہ مریم بھی ایسے واقعات عجیبہ پر مشتمل ہے''۔ (۳۳)

اس کے علاوہ معارف القرآن کی اہم خصوصیت اس میں کثرت سے بیان کردہ فقہی مسائل ہیں مثلاً سجدے کے بعض فضائل واحکام کے تحت آپ سب سے پہلے صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں پھر حنفی مسلک بتاتے ہیں پھر اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں۔

> ''لیکن اگر کوئی شخص تنہا سجدہ ہی کر کے دعا کر لے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور سجدے میں دعا کرنے کی ہدایت نفلی نمازوں کے لئے مخصوص ہے فرائض میں نہیں''۔ (۳۴)

## تقابلی جائزہ:

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی کی مباحث کا دائرہ محدود اور مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن کا انداز بیان بھی عربی فارسی الفاظ اور بکثرت اصطلاحات کے استعمال سے بوجھل ہوگیا ہے۔فقہی اور کلامی مباحث،تصوف کے اسرار ورموز کے سبب یہ تفسیر جدید تعلیم یافتہ طبقے کی علمی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہی ہے۔عبدالماجد دریابادی نے اپنی تفسیر تفسر ماجدی کے ذریعے قرآنی اشکالات کو دور کرتے ہوئے قاری اور قرآن کے درمیان جاندار وسیلے کا کام دیا ہے۔(۳۵)

عبدالماجد دریا آبادی ایک ادیب بھی تھے اس لیے تفسیر ماجدی میں عصری رجحانات کے ساتھ ساتھ ایک طاقت ور اسلوب نظر آتا ہے۔ان کی تفسیر خطیبانہ اطناب سے اجتناب اور حواشی کے اختصار وایجاز کی وجہ سے الگ شان رکھتی ہے۔(۳۶) لیکن تفسر ماجدی میں فکری اعتبار سے بیان القرآن کا رنگ نظر آتا ہے۔اس لیے قرآن کے وسیع پیغام کو دل کش اسلوب کے باوجود یہ تفسیر عام کرنے میں ناکام رہی ہے۔ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن صفات الٰہیہ اور دین ومذہب کے وسیع تر مفہوم کو بیان کرتی تو ہے لیکن یہ تفسیر نامکمل ہے۔اگرچہ قرآن کے بنیادی تصورات کو پیش کرتے ہوئے قرآن کے طرز استدلال کو ہی ابوالکلام آزاد نے بنیاد بنایا ہے۔لیکن اس کے لیے جس انداز اور طرز تحریر کی ضرورت تھی۔وہ ترجمان القرآن میں نظر نہیں آتا حالانکہ ابوالکلام نے ترجمان القرآن کی زبان و بیان کو الہلال اور البلاغ کے معیار سے نیچے اتارا ہے۔(۳۷) اس کے باوجود ترجمان القرآن کا اسلوب دیرپا اثرات قائم نہیں کر سکا۔مولانا عبیداللہ سندھی کا انداز تحریر اُن کی تفسیر المقام المحمود میں ایسے کنجلگ اور پریشان کن انداز میں سامنے آیا ہے کہ ان کی تفسیر سے استفادہ کرنا عام آدمی تو کیا کسی ادیب اور مفکر کے بس کی بات نہیں۔مولانا محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن اور پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر ضیاء القرآن مخصوص منہاج کی نمایندہ ہیں۔البتہ امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن سنجیدہ اور علمی انداز میں قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی ایک کوشش ہے،جس میں فقہی، جماعتی اور گروہ بندی سے بالاتر ہوکر قرآن کے پیغام کو دل نشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ محمد الیاس اعظمی کے مطابق:

''یہ تفسیر اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ادب وانشا کا بہترین نمونہ ہے''۔(۳۸)

## خلاصہ بحث:

اردو تفاسیر کے سرسری جائزے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر عالم دین، مفسر قرآن نے اپنے اپنے حالات، علمی رجحانات، بدلتے تقاضوں، عصر حاضر کی فکری ضروریات کے تحت پورے اخلاص و جانفشانی کے ساتھ تفاسیر لکھی ہیں اور انھیں زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اسے کیا کہیے کہ کلامی تفاسیر میں اعتقادی بحثیں چھائی رہیں، فقہی تفاسیر میں اختلاف مذہب توجہ کا مرکز بن گئے۔ عارفانہ تفاسیر میں روحانی پہلو غالب آ گیا اور ادبی تفاسیر الفاظ کے حسن اور قرآن کے ادبی اعجاز کو موضوع بحث بنا سکیں۔ ان تفاسیر میں اگر کہیں قرآن کا پیغام ابھرا بھی تو وہ قرآن کے مرکزی موضوع کے مطابق اسلام کے ایک مکمل دین ہونے کا واضح نقشہ نہ مرتب کر سکا۔ اور اگر کسی نے ایسی کوشش کی بھی تو ایسی بھاری بھرکم مذہبی اصطلاحات اور عربی تراکیب والفاظ استعمال کیے کہ عام قاری یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ قرآن پاک کے پیغام کو سمجھنا اس کے بس کی بات نہیں یہ صرف علما کرام کی ذمہ داری ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، ج ۲، ص ۱۷۴

۲۔ امام زرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، دارالفکر، بیروت لبنان، ج ۲، ص ۱۲

۳۔ فراقی، تحسین، ڈاکٹر، عبد الماجد دریا بادی، احوال و آثار، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۵۷۶

۴۔ مقالہ جمال الدین اعظمی (عربی و فارسی تفسیر نویسی میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ) مرتبہ عماد الحسن آزاد فاروقی، ہندوستان میں اسلامی علوم و ادبیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۶

۵۔ جیراجپوری، اسلم، مولانا، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۸۷

۶۔ ایضاً، ص ۸۸

۷۔ معارف اسلامی علی گڑھ، ش ۱، جنوری جون ۲۰۰۳ء، ج ۲، ص ۱۹۔۲۰

۸۔ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء، ص ۱۷

۹۔ جمیل نقوی، ص ۱۸

۱۰۔ قدوائی، محمد سالم، ڈاکٹر، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص ۶۵

۱۱۔ بزرگ بن شہریار، کتاب عجائب الہند (بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ)

۱۲۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، دوم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۴۴

۱۳۔ نجم الاسلام، نقوش لاہور سالنامہ شمارہ ۱۰۵، ص ۱۵۱۔۱۵۲

۱۴۔ فکر و نظر اسلام آباد، جنوری مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۳

۱۵۔ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء، ۴۰

۱۶۔ محمد علی مونگیری، ارشاد رحمانی و فضل یزدانی (بحوالہ مولانا محمد نظر علی خاں، قرآنی معارف)

۱۷۔ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) (بحوالہ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۹۶

۱۸۔ مشتاق احمد، ڈاکٹر، سر سید کی نثری خدمات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۱

۱۹۔ قدوائی، محمد سالم، ڈاکٹر، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص ۶۵

۲۰۔ تھانویؒ، اشرف علی، بیان القرآن، مکتبہ الحسن لاہور، ص ۶

۲۱۔ قدوائی، محمد سالم، ڈاکٹر علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ص ۶۶

۲۲۔ امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، تفسیر ثنائی، ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی، دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۵

۲۳۔ امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، تفسیر ثنائی، مقدمہ تفسیر، میر محمد کارخانہ آرام باغ کراچی، ۱۹۳۱ء، ص ۱۷۔۱۶

۲۴۔ مکاتیب زنداں ، چراغ راہ کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۰

۲۵۔ رسائل و مسائل، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۷

۲۶۔ تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۶۹ء، ج ۱، ص ۱۳۷، حاشیہ ۹۱

۲۷۔ ایضاً ۴، ص ۳۳۴، حاشیہ ۳۵

۲۸۔ مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۶

۲۹۔ خالد علوی، ڈاکٹر، سید مودودی بحیثیت مفسر، الفیصل لاہور، س۔ن، ۳، ۸۹، حاشیہ ۷

۳۰۔ ڈاکٹر خالد علوی، ص ۳۴

۳۱۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر القرآن، تاج کمپنی دہلی، ص ۲

۳۲۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، بیت الحکمت دیوبند، یوپی، ۱۹۸۳ء، ص ۶

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ فراقی، تحسین، ڈاکٹر، ص ۶۳۴

۳۶۔ محمد عمر الصدیق دریابادی ندوی، قرآن مجید کی تفسیریں، مولانا آزاد اکیڈمی علی گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص ۳۴۹

۳۷۔ قاسمی، اخلاق حسین، مولانا، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ، مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۴۸

۳۸۔ علوم القرآن علی گڑھ، امین احسن اصلاحی نمبر، ص ۴۸۳